التفسیر والتعبیر

عزیز زبیدی واربرٹن

سُورَۃُ بَقَرَۃ

(قسط ۲۰)

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ

کیا تم (دوسرے) لوگوں سے نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے۔ حالانکہ تم کتاب (الٰہی بھی)

لہ (البر) نیکی کو کہتے ہیں، اس لفظ میں وہ تمام اعمال، اقوال اور مقاصد آجاتے ہیں جو اسلام میں مطلوب ہیں اور دنیوی اور اخروی زندگی کی مبارک تعمیر کے لیے قرآن و سنت نے ان کا انتخاب کیا ہے۔ برّ (نیکی) شجرِ حیات کی ان چند پتیوں، کلیوں اور ٹہنیوں کا نام نہیں ہے، جن کی اساس، جڑیں اور تنے مضمحل، کھوکھلے، بے جان، بے روح اور بے آبرو سے دکھائی دیتے ہوں۔ بس چند جذباتی یا نمائشی قسم کی ظاہری بعض رسموں اور کچھ عام قسم کی نیکیوں کے ذریعے بنیادی حقائق کو بہلانے کے خبط کو "خود حافی میدان مارنا" تصور کیا جاتا ہو۔ مثلاً

بعض ظاہری رسموں پر قناعت۔ بعض نیک اعمال پر قناعت کرنے اور دین کی بنیادی اقدار سے بے پرواہی برتنے کے باوجود اس خوش فہمی میں رہنا کہ دین کے تقاضے پورے ہو گئے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (پ۲۔ بقرہ ع۲۲)

(مسلمانو!) نیکی یہی نہیں کہ (نماز میں) اپنا منہ مشرق (کی طرف کرلو) یا مغرب کی طرف۔

وليس البر بان تاتوا البيوت من ابوابها (پ۲۔ بقرہ ع۲۴)

اور یہ کچھ نیکی (میں داخل) نہیں ہے کہ گھروں میں ان کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ۔

گویا کہ چند ظاہری رسوم کو اختیار کر کے مطمئن ہو جانا، خوش فہمی تو ہو سکتی ہے، دین نہیں ہے۔

خدمتِ خلق۔ خدمتِ خلق اور خانۂ خدا کی دیکھ بھال بڑی چیز ہے، لیکن جو لوگ اس قسم کی خدمات

کو دوسری دینی اقدار اور فرائض کا بدل تصور کر لیتے ہیں، وہ بہت بڑی ہوتی ہیں۔

وَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الآية

فرمایا! حقیقی نیکی یہ ہے کہ خدا کو مانیں۔ (جیسے ماننا چاہیے) قیامت میں اس کے حضور جواب دہی کا احساس رکھیں۔ چاہیے کہ وہ فرشتوں، کتابوں، نبیوں کو برحق تسلیم کریں۔ اس کی راہ میں مال خرچ کریں، نمازیں قائم کریں، زکوٰۃ دیں، عہد کے پکے رہیں اور تنگی ترشی میں ہمت نہ ہاریں، یہ لوگ سچے بھی ہیں اور متقی بھی۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (بقرہ۔ ع)

سچی نیکی اس کی ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتا ہے۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى (بقرہ ع)

خلق کے سلسلے کی جو خدمات ہوتی ہیں، وہ ایمان باللہ اور احساس آخرت اور جہاد فی سبیل اللہ جیسی چیزیں نہیں ہیں، وہ ان کی فرع ہیں۔

كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ (توبہ ع)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ: نیکی اور حسن معاملہ سے عمر بڑھتی ہے: ولا یزید فی العمر الا البر (ابن ماجہ عن ثوبان) والدہ کے ساتھ نیک سلوک اور برخوردارانہ نیکی بہت بڑی نیکی ہے: کذا لکم البر کذا لکم البر وکان ابر الناس بامہ (مشکوٰۃ) باپ کی وفات کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ نیکی کرنا بھی بہت بڑی نیکی ہے۔ ان ابر البر صلۃ الرجل ود ابیہ بعد ان یولی (مسلم۔ ابن عمرؓ) والدین کی وفات کے بعد ان کے لیے دعائیں، استغفار، ان کے معاہدوں کا پاس، ان کے سلسلے کا صلہ رحمی اور ان کے دوستوں کا احترام بھی نیکی ہے۔ الصلاۃ علیہما والاستغفار لہما وانفاذ عہدہما وصلۃ الرحم التی لا توصل الا بہما واکرام صدیقہما (ابوداؤد۔ عن الساعدی)

الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ

پڑھتے رہتے ہو کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے اور (مصائب کی سہار کے لیے) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو

۱؎ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ (خود فراموشی، اپنی بات کی ذمہ داری کا احساس نہ کرنا، اپنے مقام اور فریضہ سے بے خبری) اپنے آپ کو بھول جانا ایک بہت بڑا مرض ہے، ایک بات کو صحیح سمجھتے ہوئے اپنی ذات کے لیے اس کی ضرورت کا احساس نہ کرنا، لوگوں کو اس کی تبلیغ کرنا مگر خود اس سے غافل رہنا، ذہنی طور پر اعترافِ حق کے باوجود اپنے بعض ذاتی مصالح اور مفاد عاجلہ کی بنا پر اس کو قبول کرنے یا اختیار کرنے کا حوصلہ نہ کرنا۔ قلبی خلش کے باوجود ضمیر کی آواز اور قلبِ سلیم کی صدائے برحق پر بوجھ بن کر سطحی اغراض کے لیے راستہ صاف رکھنے کے خبط میں مبتلا رہنا، ایک بہت بڑی مہلک خود فراموشی ہے، لیکن بسا اوقات حق تعالیٰ کی طرف سے خود فراموشی کو جو ڈھیل مل جاتی ہے، وہ سمجھ لیتا ہے کہ، سب خیر ہے۔ مگر وہ اتمامِ حجت کی بات ہوتی ہے آخر اس کو دھر ہی لیا جاتا ہے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔ (پ۷۔ انعام ع۵)

پھر جس سے ان کو آگاہ کیا گیا تھا جب وہ (اس کو) بھول بسر بیٹھے (تو) ہم نے ان پر ہر طرح کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں جب ان کو پا کر خوش ہوئے (تو) یکایک ہم نے ان کو دھر پکڑا اور عذاب کا آنا تھا کہ وہ بے آس ہو کر رہ گئے۔

خدا بھی ان کو بھلا دے گا۔ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ (الاعراف ع۶) نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ۔ (توبہ ع۹) جنھوں نے نتائج سے بے خبر ہو کر یوں زندگی گزاری جیسے ان کا خدا کوئی نہیں۔ ان کے لیے خدا کی طرف سے یہ سب سے بڑی سزا ہے۔

۲؎ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ (حالانکہ تم کتاب پڑھتے رہتے ہو) لوگوں کو امر بالمعروف کرنا اور خود کو بھول جانا، اس کی سنگینی اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب وہ کتاب خواں بھی ہو۔ آنکھوں سے دیکھنے، کانوں سے سننے اور دل و دماغ سے سوچنے کے مواقع بھی میسّر ہوں، اس کے باوجود وہ یوں جیتے ہوں جیسے ان کو اپنے سر پیر کا بھی ہوش نہیں اور نہ ہی ان کو خدا یاد ہے، تو ظاہر ہے کہ اب بے خبری اور اندھیرے والی بات نہیں ہے کہ ان پر ترس کرنے کی کوئی سبیل بھی باقی رہ جائے قرآن حکیم نے دوسری جگہ یوں ذکر فرمایا ہے: کہ یہ کتاب خواں کیا ہیں، بس گدھے ہیں اپنے پر

کتابیں لدی ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (پ۲۸ جمعہ ع۱)

جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انھوں نے اس پر عمل نہ کیا، ان کی مثال گدھے کی مثال ہے، جس پر کتابیں لدی ہیں۔

خدا کے نزدیک ایسے ذہنی عیاش اور باتونی آدمی بہت برے لوگ ہیں۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (پ۲۸۔ الصف ع۱)

وہ بات کہتے کیوں ہو جو کر کے دکھاتے نہیں، یہ (بات) اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو (سب کچھ) اور کرو (کچھ بھی) نہیں۔

خدا کے نزدیک شعراء اس لیے برے ہیں کہ وہ صرف دماغی عیاش ہیں، باتونی ہیں، کرتے کراتے کچھ نہیں۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (پ۱۹۔ الشعراء ع۱۱)

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا فراموشی یا خود فراموشی جیسی غفلت اور بے ہوشی اچانک اور یکدم انسان پر طاری نہیں ہو جاتی بلکہ فسق و معصیت میں مسلسل غرق رہنے کے نتیجے میں بطور سزا اس پر طاری کر دی جاتی ہے یعنی یہ اس کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے۔ گویا کہ اب خدا اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے کہ جہاں جا کر وہ پہنچنا چاہتا ہے، جا پہنچے۔

ومن عقوباتها انها تستدعي نسيان الله لعبده و تركه وتخليته بينه وبين نفسه وشيطانه وهنالك الهلاك الذي لا يرجي معه نجاة ...... واعظم العقوبة نسيان العبد لنفسه اهماله لها واضاعته حظها ونصيبها من الله و بيعها ذلك بالغبن والهوان وانجس الثمن (الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي ص۶۲)

قرآن حکیم نے ان کی اسی غفلت کے نتائج کا یوں ذکر فرمایا ہے۔

فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصف ع۱ پ۲۸)

تو جب انھوں نے کجی اختیار کی (تو) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو (بھی) کج کر دیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے سفر میں دیکھا کہ آگ کی قینچی سے کچھ لوگوں کے

ہونٹ کترتے جارہے ہیں۔ پوچھا تو جبرائیل امین نے بتایا کہ: یہ آپ کی امت کے خطیب، واعظ اور رہنما ہیں جو لوگوں کو نیکی کی تبلیغ کرتے تھے مگر اپنے کو بھلا ہی دیا تھا، یعنی جو کہتے اس پر خود عمل نہیں کرتے تھے۔

رَاَیْتُ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِی رِجَالاً تُقْرَضُ شِفَاهُهُم بِمَقَارِیضَ مِن نَارٍ قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ یَا جِبْرَائِیلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ اُمَّتِکَ یَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَیَنْسَوْنَ اَنْفُسَهُمْ (و فی روایة اَلَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یفعلون ویقرؤن کتاب اللہ ولا یعملون (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ والبیہقی)

قیامت میں ایک شخص کو لاکر آگ میں ڈالا جائے گا، تو اس میں اس کی آنتیں گر پڑیں گی پھر اس میں وہ چکی پیسنے والے گدھے کی مانند گھومے گا تو دوزخی جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے: یہ کیا قصہ ہے؟ کیا آپ وعظ نہیں کیا کرتے تھے، وہ جواب دیں گے کہ جی ہاں! پر بات یہ ہے کہ تمہیں سناتا تھا پر خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔

یجاء بالرجل یوم القیمۃ فیلقی فی النار فتندلق اقتابہ فی النار فیطحن فیھا کطحن الحمار برحاہ فیجتمع اھل النار علیہ فیقولون ای فلان! ما شانک؟ الیس تامرنا بالمعروف وتنھانا عن المنکر قال کنت امرکم بالمعروف ولا اتیہ وانھاکم عن المنکر واتیہ (صحیحین عن اسامۃ)

کچھ بہشتی، کچھ دوزخیوں کے پاس جائیں گے، ہم نے تو آپ کی تبلیغ سے جنت پالی، آپ کو دوزخ میں کیا شے لے گئی، وہ جواب دیں گے کہ ہم کہتے تھے کرتے نہیں تھے۔

ان ناسًا من اھل الجنۃ ینطلقون الی ناس من اھل النار فیقولون بما دخلتم النار؟ فواللہ ما دخلنا الجنۃ الا بما تعلمنا فیقولون انا کنا نقول ولا نفعل (رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ ترغیب وترھیب ص۳۵)

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلوبِ زندگی منافق کا ہوتا ہے، مسلم کا نہیں، اور اسی کا اندیشہ ہے۔

ولکن اتخوف علیکم منافقًا عالم اللسان یقول ما تعرفون ویعمل ما تنکرون۔ (طبرانی۔ ترغیب ترھیب ص۳۵ج)

فرمایا کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر دکھائی نہیں دیتا۔

یبصر احدکم القذاۃ فی عین اخیہ وینسی الجذع فی عینہ (رواہ ابن فی صحیحہ ترغیب ترہیب

فرمایا: جو شخص لوگوں کو درس دیتا ہے لیکن اپنا جائزہ نہیں لیتا، اس کی مثال چراغ کی ہے کہ دوسروں کو روشنی بخشتا ہے مگر اپنی جان کو پھونکتا ہے۔

مثل الذی یعلم الناس الخیر وینسی نفسہ کمثل السراج یضیئ للناس ویحرق نفسہ

(رواہ الطبرانی واسنادہ حسن - ترغیب ص۱۲۵)

؎ اِسْتَعِیْنُوْا (مدد لو، مدد چاہو، سہارا لو، پشت پناہ بناؤ) دنیا میں ہر کام انسان خود انجام نہیں دے سکتا، اسے ایسے ذرائع کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے، جو بہت سے زیادہ کاموں میں کام دے سکتے ہیں۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

تحت اسباب: کچھ کام وہ ہوتے ہیں جو عموماً ایک دوسرے سے کرنے کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً دس روپے ادھار دو، یہ بھاری بوجھ ہے، اٹھاتے ہیں تعاون کرو، پانی لا دو، روٹی پکا دو، سودا لا دو، مسکین کو کھانا کھلاؤ، میدانِ جنگ میں جہاد کے لیے نکلو وغیرہ وغیرہ یہ سبھی امور "تحت الاسباب" شمار ہوتے ہیں اس قسم کے ذرائع اور وسائل سے کام لینا مشروع ہے، جائز ہے اور رخصت ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (پ۔ مائدہ ع) وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (مائدہ ع) وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (پ۔ حجرات ع) فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْیَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ (پ۱۵ الکھف) حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ﹰاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا (الکھف ع پ۱۶) قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا (پ۱۶ - کھف ع)

الغرض: اسباب کی حد تک ایک دوسرے سے استعانت کرنا جائز ہے۔ لیکن پھر بھی دو تین باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

ایک یہ کہ جو کام عزتِ نفس کے خلاف، اور دون ہمتی پر مبنی ہوں ان سے اسباب کی حد تک بھی مدد لینا شرعاً قبیح فعل ہے۔ جیسے کسی کے سامنے "دستِ سوال" دراز کرنا، اور مانگنے والوں کی طرح بھیک مانگنا: المسألۃ کدوح۔ (ترمذی - سمرۃ)

دوسرا یہ کہ حتی الامکان وہ کام خود ہی انجام دے جن میں گو قدرے کلفت ہوتی ہے تاہم کیے جا سکتے ہیں جیسے اگر کوئی پاس نہ ہو تو عموماً وہ خود کر لیے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ مقام، مقامِ عزیمت ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے بعض صحابہ کو تاکید فرمایا تھا کہ: کسی سے سوال نہ کرنا۔ اب اگر سواری کی حالت

ہیں ہاتھ سے کسی صحابی سے چھڑی گر جاتی تو باوجود کا یہ رفقاء کے ہوتے ہوئے بھی اتر کر خود اٹھانے کی کوشش کرتے۔ کسی سے کہنے سے پرہیز کرتے۔ لِيَسْئَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْئَالَهُ الْمِلْحَ وَحَتّٰى يَسْئَالَهُ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ (مشکوٰۃ عن انس)

تیسرا یہ کہ: اسباب وذرائع اور ان کی طبعی تاثیرات کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے دابِ الصالحین یہ ہے کہ: اب بھی رجوع رب کی طرف رہے اور اسی سے ہی تکمیل کے لیے دعائیں کی جائیں، مثلاً جہاد کرو، پر دعائیں بھی رب سے مانگو۔

وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (پ۲ - بقرہ ع۳۲)

تکلیف ہو جائے، بیمار پڑ جائے تو دوا کرو اور دعا بھی۔

رَبِّ اِنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (پ۱۷ - انبیاء ع۶)

مناسب مقام کی تلاش بھی کیجیے! اور دعائیں بھی مانگیے۔

رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ (پ۱۸ - مومنون ع۲)

دنیا کے دھندے بھی چلتے رہیں اور اصلاح حال کے لیے بھی رب سے درخواستیں کیجیے۔

اَللّٰهُمَّ ...... اَصْلِحْ لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ (مسلم عن ابی ھریرۃ)

ان قیود سے غرض یہ ہے کہ کسی بھی سٹیج پر بندہ خدا سے بے نیاز نہ رہنے پائے اور دونوں ہی تو کے جتنے امکانات ہیں بساط بھر ان کا بھی سد باب ہو جائے۔

مافوق الاسباب:۔ کچھ امور وہ ہیں جو اسباب اور انسانی بساط اور توفیق سے وراء الوراء ہیں، ان کے سلسلے میں یہ ہے کہ ان کے لیے صرف رب سے واسطہ رکھے اور اسی کی طرف ہی رجوع رہے کیونکہ خدا کے ماسوا جو بھی ہیں، وہ ان کی حد تک "سوالی" سے کم محتاج نہیں ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کی اس حیثیت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (پ۱۷ - الحج ع۱۰)

طالب (سوالی، فریادی) اور مطلوب (ماسوی اللہ کی ہر فریاد رس شے) دونوں ہی بودے اور بے زور سے ہیں۔

اس مسئلہ کا تعلق کسی عظیم ہستی کی عظمت، تقدس اور شخصیت سے نہیں اور نہ ہی اس حیثیت سے یہ اس مسئلے کا حل ہے۔ اصل مسئلہ "مافوق الاسباب" کی تخلیق کا ہے کہ نیست سے ہست اور عدم سے وجود میں لانا کسی اور کے بس کا روگ بھی ہے یا نہیں ـــــ اسباب سے ماوراء

دنیا میں انسان، عظیم انسان اور بزرگ تر انسان کی تگ و تاز ممکن بھی ہے یا نہیں، مثلاً مادی وسائل جب مفقود ہوں، سماعت کا مادی ذریعہ ہوا، کان اور جان، جہاں بالکلیہ غائب ہوجائیں کیا ان ذرائع اور اسباب سے بالاتر ہو کر کوئی انسانی ہستی سن سکتی ہے، زبان نہ رہے تو کیا وہ گویا ہو سکتی ہے؟ ہاتھ اور پاؤں اپنی مادی تاب و تواں کے بغیر کہیں چل سکے ہیں، دل و دماغ اپنی جاں نواز بہاروں سے بالاتر احساس اور سوچ سے ہمکنار رہ سکتے ہیں۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ظاہر ہے کہ ان امور کے سلسلے کی تحقیقات کے لیے معروف ما فوق الاسباب کا کوئی نیا سلسلہ ہوگا ۔۔؟ ایسی صورت میں اب ان مادی ذرائع سے کٹ جانے کے بعد پھر آپ کی کیسی سنیں گے اور سن کر کس طرح آپ کی ضرورت کے لیے مناسب تخلیق انجام دیں گے؟ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ:

مردے سلام سنتے ہیں، سلام کرنے والے کو پہچانتے ہیں بلکہ غسل دینے والوں، کفنانے، اٹھانے والوں اور قبر میں اتارنے والوں کو بھی وہ پہچانتے ہیں اور عالم برزخ میں باہم وہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ لیکن بیشتر کی روایاتی حیثیت تسلی بخش نہیں ہے اور جو کسی درجہ میں قابل توجہ ہیں وہ خاص کر احناف کے نقطۂ نظر سے مفید مطلب نہیں ہیں، کیونکہ احاد ہیں اس لیے آیات الٰہیہ کی مخصص نہیں ہو سکتیں۔ ہمارے نزدیک گو ایسا کوئی تکلف نہیں ہے تاہم وہ مجمل ہیں۔ قرآن حکیم نے اس کی نقاب کشائی کی ہے اور وہ یہ کہ: مذکورہ سب باتیں، اسباب عادی کے تابع نہیں ہیں، بلکہ وہ سب اللہ کی حیثیت اور حکمت کے تابع ہیں، وہ جب اور جیسا چاہتا ہے ان کو سنا دیتا ہے۔

مَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ (پ ۲۲ - فاطر ع ۳)

زندہ اور مردے برابر نہیں ہیں، اللہ میاں جس کو چاہتے ہیں بات کے سننے کی توفیق دیتے ہیں اور جو لوگ قبروں میں (مدفون ہیں) آپ ان کو سنا نہیں سکتے۔

آیت نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ زندوں اور مردوں کی دنیا مختلف ہے۔ یہ سرتاپا مادی اور وہ سرتاپا غیر مادی اور صرف برزخی۔ انسان اہل قبور کے لیے جن ذرائع کو استعمال کر سکتا ہے وہ صرف سرتاپا مادی ہیں لیکن وہاں مادی اور اسباب و ذرائع کے تمام رشتے منقطع ہیں، اس لیے فرمایا کہ ان کو سنانا آپ کے بس کی بات نہیں ہے، ہاں اگر خدا مناسب سمجھتا ہے تو ان تک ان کو پہنچا

دیتا ہے۔ اسی مضمون کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ (پ ۱۷ - الحج ع ۱۰)

ترجمہ! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، پس اسے کان لگا کر (غور سے) سنیں - خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی (بھی تو) پیدا نہیں کر سکتے، اگرچہ اس کے لیے وہ سب جمع بھی ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے وہ اس کو اس سے چھڑا بھی تو نہیں سکتے، طالب اور مطلوب (کس قدر) کمزور (اور بودے) ہیں۔

یہاں پہلی چیز تو صرف تخلیق سے متعلق بیان کی گئی ہے کہ یہ بات ماسوی اللہ کے بس کی بات نہیں، اس لیے مافوق الاسباب سے متعلق ان سے توقعات قائم کرنا خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں، دوسری یہ بات بتائی کہ تخلیق کی توفیق نہ سہی مادی اسباب سے متعلقہ امور کی انجام دہی بھی تو ان کے بس میں ان کے بس میں نہیں رہی، کیونکہ اب وہ اسباب اور تاب و تواں ہی ان بن نہیں رہی جن کے باعث زندگی میں یہ سب امور ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھے جاتے تھے، کیونکہ ان کے لیے جو بال و پر تھے، وہ اب ان کے پاس نہیں رہے۔ لہٰذا، اس مرحلہ (ما فوق الاسباب کی دنیا) میں غیروں کی راہ دیکھنا اور ان سے درخواستیں کرنا، بنیادی اقدار کو نہ سمجھ سکنے کا نتیجہ ہے۔ ان کے بس میں نہ تو تخلیق کر کے وہ نیست سے ہست کر سکیں اور نہ مادی وہ قوتیں جن کے ذریعے کوئی گتھی ناخنِ تدبیر سے یا بازوئے شمشیر سے سلجھائی جا سکتی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص کسی دوسری ہستی سے آس لگائے بیٹھا رہے تو آخر جب آنکھ کھلے گی تو اسے پتہ چلے گا کہ یہ کس قدر فضول خوش فہمی تھی۔

قرآن کریم نے ان ناداروں کی یہ مثال کس قدر بصیرت افروز بیان فرمائی ہے کہ جب وہ امید وبیم میں چور اپنے مقام پر پہنچے تو انھیں کچھ بھی ہاتھ نہ آیا، نہ کچھ دیکھنے میں آیا، دیکھا تو خدا سامنے تھا، اب کہاں جاتے ہو، جھولی ادھر کرو۔ اپنے کیے کا پھل لو، ادھار نہیں کریں گے، نقد دیں گے اور ابھی حساب چکائے دیتے ہیں۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ (پ ۱۸ - النور ع ۵)

اور جو منکر لوگ ہیں ان کے اعمال ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور (دیکھا تو) خدا کو اپنے پاس موجود پایا اور اس نے (وہاں ہی) اس کا حساب چکا دیا۔

استعانت کے باب میں یہ تفصیل ان دوستوں کے لیے مفید رہے گی جو اپنی عاقبت کی خیر چاہتے ہیں ۔ واللہ ولی التوفیق بہر حال ماتحت اسباب کے سلسلے کی استعانت ہو یا مافوق الاسباب سب کے سلسلے میں حقیقی "مستعان" رب العلمین ہے۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ (پ ۱۲۔ یوسف ع) وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ (پ ۱۷۔ انبیاء ع)

استعانت کی شے صرف اللہ ہے۔

اس لیے سورۂ فاتحہ میں حصر کے ساتھ فرمایا کہ یوں کہو۔ ایاك نستعین (پ۔ فاتحہ) صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

دنیا میں سب سے بڑی "وجہ کشش" اعانت ہوتی ہے، اس لیے جہاں سے یہ سبز باغ دکھائی دیتے ہیں دنیا اسی طرف لپک پڑتی ہے۔ اس لیے قرآن نے اس کا سدباب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ: مستعان صرف اللہ ہے اور اس سلسلے میں اسی کی طرف رجوع کیا جائے اور صرف اسی کی طرف ۔ ورنہ اگر دوسرے مرکز توجہ بن گئے تو توحید کا باغ اجڑ جائے گا بلکہ شش جہات میں بٹ کر انسانی توجہ، انسان کو پریشان، بے وفا اور بے خدا بنا ڈالے گی۔

۳۵ بالصبر (صبر کے ساتھ، حوصلے کے ساتھ) اس کے اصل معنی ہیں، نفس کو نفسانی دلچسپیوں اور اس کو اس کی بے لگام خواہشات سے باز رکھنا۔

اصل الصبر: منع النفس عما بهاو كفها عن هواها (جامع البیان للطبری ۲۵۹/۱)

بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ: صبر دو قسم کا ہے، ایک محبوب چیزوں کے سلسلے میں خدائی حدود کو ملحوظ رکھنا اور دوسرا خواہشات نفس کے علی الرغم یعنی طبیعت کو بہ جبر جس چیز کے لیے آمادہ کرنا پڑتا ہے، اس کے لیے آمادہ کرنا اور اس پر ثابت قدم رہنا۔

الصبر صبران، صبر علی ما تکرہ، صبر علی ما تحب (

دکھ اور مصیبت میں صبر کا مفہوم تو معروف ہے، دلچسپیوں اور بہاروں کو دیکھ کر متوازن رہنا بڑے حوصلے کی بات ہے، حق تعالیٰ نے اس کی مثال قرآن میں قارون کی بیان کی ہے کہ اس کی ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر بہت سے دنیا دار للچا گئے مگر باخدا لوگوں نے کہا کہ: یہ کچھ نہیں، رب کی

طرف سے اجر و ثواب کی جو دولت ہاتھ لگے گی وہ سب سے بہتر ہے۔ مگر یہ کیفیت اہلِ صبر ہی کے حصے میں آئی ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ط قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ o وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ (پ - قصص ع)

بعض بزرگوں نے اسے یوں بیان کیا ہے کہ اپنی بپتا اپنے خدا کے بغیر کسی سے نہ کہنا، صبر کہلاتا ہے۔

ترک الشکوی من الم البلوی لغیر الله الی الله

اس صبر سے غرض؛ ذلت کی زندگی پر قناعت کرنا نہیں ہے بلکہ بوجہ اللہ حق پر استقامت کا نام ہے۔ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ (رعد ع۳) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (مدثر ع۱)

اس میں عزتِ نفس کا پاس بھی ہے، مخمصہ سے مخلصی پانے کے لیے جائز امکانات کا جائزہ لینے کے سلسلے کا ایک وقفۂ غور بھی۔ رجوع الی اللہ کے لیے یہ ایک مبارک تقریب بھی ہے اور طالبانِ حق کے لیے بادِ مخالف کے ہزاروں طوفانوں میں "حق کے جھنڈا" کو بلند رکھنے کا ایک حسین اسوۂ حسنہ بھی۔ قرآن حکیم نے ان حقائق کو اپنے مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے۔

مصائب میں نعرۂ مستانہ۔ صابر لوگ جب مصائب کے ہجوم میں گھر جاتے ہیں تو بدحواس نہیں ہوتے بلکہ کہتے ہیں: ہم اللہ کے، اللہ ہمارا، اسی کے حضور حاضر ہونا ہے یعنی وہ قطعاً ضائع نہیں کرے گا۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ o الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ (پ۲ - بقرہ ع۱۹)

ان کا نعرۂ مستانہ رنگ لاتا ہے اور رحمتِ الٰہی آگے بڑھ کر ان کا دامن تھام لیتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (پ - بقرہ ع۱۹)

ہمت نہیں ہاری۔ پانی سر سے گزر گیا تب بھی ہمت نہیں ہاری، اپنی کمزوریوں پر نظرِ ثانی کا موقع ملا، اور حق پر ثابت قدم رہنے کے لیے رب سے دعائیں کیں۔

فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ۔ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا الآیۃ (پ - آل عمران ع۱۵)

کیونکہ مصائب اللہ کسی کے سر نہیں بلکہ وہ انسان کی اپنی کمزوریوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لیے

اس مرحلے پر اپنا جائزہ لینا خوش بختی ہے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (پ۲۵۔ شوریٰ ع۴)

ابتلاء سے غرض بھگانا نہیں بلکہ عزم و حوصلہ کے ساتھ ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے والوں کی آزمائش مقصود ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ الآیۃ (پ۲۶۔ محمد ع۴)

اس لیے فرمایا: ہمت کے دھنی سچے ہوں تو وہ دُگنے دشمنوں پر چھا سکتے ہیں۔

إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ (انفال ع۹)

قنوطیت اور مستی کے بین بین۔ حق تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے اس کی وضاحت فرمائی ہے، کہ صبر قنوطیت کا نام ہے نہ اترا کر مست ہو رہنے کا بلکہ خوشحالی میں شکرگزاری اور تنگی ترشی میں اس کی رحمت کی آس رکھنے کو صبر کہتے ہیں، جس کی نشانی یہ ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ نہیں رہتے بلکہ وہ ثابت قدم رہ کر مناسب اور عقدہ کشا اعمالِ صالحہ میں مصروف ہو جاتے ہیں: بس رحمت کے دروازے انہیں کے لیے کھول دیے جاتے ہیں۔

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۚ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ۔ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۔ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۔ (پ۱۲۔ ھود ع۲)

صبر کشائش حال کا ذریعہ ہے، اندر ہی اندر گھٹ کر مر جانے کا نہیں بشرطیکہ خوفِ خدا شاملِ حال ہو اور پریشان حالی میں خلافِ شریعت کرنے سے ڈرتا رہے۔

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (پ۱۳۔ یوسف ع۱)

صبرِ جمیل۔ بزدلی، دوں ہمتی اور شکوہ سے پاک حوصلہ، صبر و ثبات کو صبرِ جمیل کہتے ہیں۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا (پ۲۹۔ معارج ع۱) فَصَبْرٌ جَمِيلٌ (یوسف ع۲)

یہ اولوالعزم انبیاء کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اس لیے حکم ہوتا ہے کہ ویسا ہی آپ بھی صبر سے کام لیں۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف ع۴)

انہی کی صحبت اختیار کرو۔ صبر کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ باخدا بندوں کی صحبت میں رہیے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ (کہف ع۴)

ان آیات نے "صبر" کی صحیح نقاب کشائی کی ہے کہ : صبر، چپ چاپ دکھ سہنے کا نام نہیں بلکہ ہوشربا گھڑیوں میں ہوش و عمل میں توازن قائم رکھنے اور آندھیوں میں اجالے کے سامان کرنے کے لیے پیہم عمل اور سعی و کوشش سے کام لینے کا نام ہے۔

یہ تو میرے دل میں تھا : نزولِ حق پر متوقع مشکلات کے باوجود بول اٹھے کہ تامل اور ڈر کا ہے کا یہ بات تو پہلے بھی میرے دل میں تھی۔ اس جرأت پر حق تعالیٰ انھیں دہرا اجر دیتے ہیں۔

وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ○ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا (پ۔ قصص ع)

صبر، حوصلہ کا نام ہے : صبر ذلت پر قناعت کرنے کو بھی نہیں کہتے بلکہ قدرت کے باوجود جذبات پر قابو پا کر درگزر کرنے کا نام ہے۔ خدا کے نزدیک یہ عالی ظرفی ہی بہتر ہے۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ (نحل ع) ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا الآية (پ۱۴ نحل ع) ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (پ۱۴۔ نحل ع)

مخبتین : اس میں فروتنی، مسکنت، عاجزی اور بے چارگی ہے مگر یہ صرف خدا کے سامنے۔

بَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ الآية (پ۔ انبیاء ع۵)

اچھی آخرت صبر کا صلہ ہے : اسلام بہت سی گراں بار ذمہ داریوں کو قبول کرنے اور بہت سی دلفریب چیزوں سے الگ رہنے کا مطالبہ کرتا ہے مگر یہ چیز صرف اسے ہی حاصل ہو سکتی ہے جو "صبر و حوصلہ" رکھتے ہیں، جو اس مقام پر فائز ہو جاتے ہیں۔ ملائکہ ان کو سلام کہیں گے۔ اچھی آخرت بھی انھیں صابروں کی ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ ۚ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (پ۱۳۔ رعد ع۳)

بات صرف آخرت کی ہی نہیں دنیا میں بھی اس کے نظارے کیے جا سکتے ہیں۔

بَلَىٰ ۚ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ (پ۔ آل عمران ع۱۳)

اگر آپ نے صبر و تقویٰ کو شعار بنا لیا تو دنیا میں دشمن آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا۔ (پ ۔ آل عمران ع)

امامت: صبر و ثبات اور یقین محکم کے ساتھ جو لوگ دینِ حق پر قائم رہتے ہیں حق تعالیٰ ان کو امامت پر فائز کر دیتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ہ (پ ۲۱ ۔ سجدہ ع ۳)

جب تک بنی اسرائیل بھی اس راہ پر گامزن رہے تو ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا۔

وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا (اعراف ع)

اور عملوں سے کہیں بہتر دیتے ہیں۔

وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (پ ۱۴ ۔ النحل ع ۱۳)

اللھم اجعلنا منھم وانک علی کل شئ قدیر۔ آمین۔

کیونکہ خلافِ شریعت جتنا اور جیسا کچھ سرزد ہوتا ہے وہ اسی بے صبری کا ہی تو نتیجہ ہوتا ہے کہ: انسان حدود اللہ پامال کر جاتا ہے اور مفادِ عاجلہ کی سطحی سی تحریک پر شریعت مطہرہ کو پس پشت ڈال کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے

کیا آپ صبر کریں گے؟ چونکہ صبر کو ملاک الامر کی حیثیت حاصل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ:

کیا ارادہ ہے؟ صبر کرو گے یا نہ؟

اَتَصْبِرُوْنَ (پ ۱۹ ۔ الفرقان ع)

بلکہ دوسروں کو بھی اس کی وصیت کرو: صرف خود نہیں، دوسروں کو بھی ایسے صبر کی تلقین کیا کرو کیونکہ برادران ملت کے ساتھ یہ سب سے بڑی نیکی ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (سورۃ العصر)

ثبات علی الباطل: اہلِ باطل بھی باطل کی راہ میں صبر و ثبات کا ثبوت دیتے رہے ہیں۔ چونکہ یہ ایک مادی ذریعہ بھی ہے اس لیے دنیا کی حد تک ہو سکتا ہے کہ اس کو فائدہ دے جائے مگر اخروی لحاظ سے ان کا یہ صبر و ثبات ان کے لیے وبال بن جائے گا۔

اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ط وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ہ (پ ۱۹ ۔ الفرقان ع) اِنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِکُمْ (پ ع)

قیامت میں بھی وہ کہیں گے کہ اب جزع فزع کریں یا صبر و حوصلہ سے کام لیں — سب بے کار ہے۔

اَجَزِعْنَا اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ (پ۱۳ - ابراھیم ع)

صبر مطلوب نہیں کہ جو کرے اور جس بات پر کرے، کام آئے۔ یہ تو حق کے حصول کا ایک ذریعہ ہے اس لیے اگر مقصد پاکیزہ ہے تو اچھا رنگ لائے گا ورنہ نہیں۔ ہاں دنیا میں جو قومیں اپنے مقاصد کے لیے صبر و عزم کے ساتھ کام لیتی ہیں، دنیوی حد تک ان کے لیے مبارک ہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر مقصد صالح نہیں ہوتا تو اخروی جوابدہی کا وبال بہرحال دوبالا ہو جائے گا۔ تاہم صبر بالکلیہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ عارضی سہی بہرحال ایک حد تک کبھی کام آہی جاتا ہے۔ اگر مقصد بھی پاک ہو تو پھر اس کی سرفرازیوں کے کیا ہی کہنے ہ

استعانت بالصبر۔ بہرحال قرآن نے "استعانت بالصبر" کا حکم دیا ہے تو اس سے مراد وہ صبر ہے جس کی تفصیل اوپر کی سطور میں گزری ہے۔ جو بھی مسلمان ان خطوط پر صبر و حوصلہ کا شعار بنائے گا یقین کیجیے وہ کبھی درماندہ نہیں رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الصلوٰۃ: استعانت بالصبر کے ساتھ قرآن حکیم نے "الصلوٰۃ" نماز کا بھی ذکر کیا ہے۔ کہ اپنے مشکل اوقات میں "نماز" سے مدد حاصل کرو۔

نماز کیا ہے؟ اس کی پوری تفصیل شروع کے رکوع میں گزر چکی ہے۔

قرآن حکیم نے دوسرے مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

استعینوا باللہ واصبروا (پ۹ - اعراف ع۱۵)

اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو۔

اللہ سے مدد مانگنے کے مختلف طریقے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ: اس سے دعائیں کی جائیں کہ حق و صداقت کے اس مرحلے میں ہماری مدد فرما۔ رحمت کے دروازے کھل جائیں گے۔

اُدْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (پ۸ - اعراف ع۵)

۲۔ ان کے احکام کی روشنی میں زندگی کا سفر جاری رکھا جائے اور خصوصی کیس میں، اس سلسلے کے الٰہی حدود کو ملحوظ رکھ کر محنت کی جائے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (پ۱۴۔ النحل ع۱۳)

۳۔ تیسرا طریقہ نماز کا ہے۔ جیسا کہ زیر تفسیر آیت میں ذکر آیا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ بھی یہی ہے کہ:

جب آپ پر مشکل وقت آتا تو آپ نماز پڑھتے۔

اذا حزبہ امر فصلی

سفر میں حضرت ابن عباس کو اپنے بھائی کے انتقال کی خبر پہنچی تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر راستہ سے ایک طرف ہو گئے اور سواری سے اتر کر لمبی دو رکعت نماز نفل پڑھی، پھر اٹھ کر سواری کی طرف چل پڑے اور وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ آیت پڑھی (ابن جریر طبری ۲۶۰)

۴۔ چوتھا طریقہ صبر کا ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، صبر کا مفہوم بھی یہی ہے کہ خدا کا سہارا لے اور اس کے تقاضے دل کی سچی پیاس سے پورے کرے اور یہ بات خدا کی توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (پ۱۴۔ النحل ع۱۶)

جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں، انجام انہیں کا اچھا رہتا ہے، گویا صبر تقویٰ ہے اور تقویٰ صبر۔

وَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ (ھود ع۴)

مخالف کچھ کہیں، آپ صبر سے کام لیں اور خدا کی یاد میں لگے رہیں۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الآیۃ (طٰہٰ ع۸)

دشمن دین آپ کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کریں گے لیکن آپ ہمت نہ ہاریں، یقین رکھیں اللہ کے وعدے سچے اور برحق ہیں۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ (الروم ع۶)

برداشت کا یہ وقفہ، وقفۂ بے کار نہیں ہے بلکہ اس سلسلے کی ہدایات الٰہی کے مطالعہ کا وقفہ ہے پوزیشن لے کر پھر حالات کے مقابلے کے لیے میدان میں اترآنا چاہیے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (پ۲۹۔ قلم ع۲)

بے دین اور غلط کاروں کے پیچھے لگ کر ربانی ہدایات کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا (دہر ع)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن سراپا خیر و برکت ہے۔ خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے اور برا وقت آتا ہے تو صبر کرتا ہے: ان الامر کلہ لہ خیر۔۔۔۔ ان اصابتہ سراء شکر فکان خیرا لہ وان اصابتہ ضراء فکان خیرا لہ (مسلم)

خدا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہم تمہیں آزماتے ہیں خاص کر سختیوں کی کٹھالی میں ڈال کر۔ یہاں تک کہ دشمن بھی ہنسنے لگتے ہیں، اس پر بھی وہ صبر اور حوصلے سے کام لیتے ہیں تو ہم ان کو سلام کہتے ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (پ۔ بقرہ ع۱۹) لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (پ۔ آل عمران ع۱۹)

فرمایا: ہم ان بہادروں کا ساتھ دیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (پ۔ بقرہ ع۱۹)

گویا کہ یہ چاروں امور استَعِينُوا بِاللهِ اور وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللهِ کا خارجی پرتو ہیں، جو ان ذرائع سے استعانت کی "درخواست" کرتا ہے، وہ گویا کہ خدا کے حضور پیش ہو کر اسی سے التجا کرتا اور استعانت طلب کرتا ہے۔ یہ استعانت بھی، قرآن حکیم کی ایک نرالی اصطلاح ہے۔ یہاں اعانت کے لیے درخواست ہے نہ دعا ــــ پھر اسے معروف معنوں میں "درخواست اعانت" کیسے تصور کیا جائے، یہاں تو ایک ایسا سراپا پیش کیا جا رہا ہے جو سراپا کردار اور عمل ہے، ہاں اسے زبانِ حال کہہ سکتے ہیں۔

اصل میں استعانت کی یہ قرآنی شکل "اپنی مدد آپ" کی ایک حکیمانہ صورت ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ: ایسے غیروں پر بھروسہ کرنے، کسی کا بھکاری بننے، دوں ہمتی کے مرض میں مبتلا ہونے اور غیر خدا کے حضور کاسہ گدائی پیش کرنے کی عادت نہ پڑے، بلکہ ضرورت ہے کہ اسے اپنی دنیا آپ تخلیق کرنے کا شعور بخشا جائے ــــ گویا کہ تعمیر سیرت کا یہ ایک ایسا انداز ہے کہ اگر کوئی فرد یا قوم اس مقام پر فائز ہو جاتی ہے تو بحر و بر کی زمام قیادت اس کے حوالے کر دی جاتی ہے، زبان سے جو نکلتا ہے پورا ہوتا ہے، جدھر کا رخ کرتا ہے، راستے ہموار ہو جاتے ہیں، ہاتھ اٹھتے ہیں تو ابر باراں بن جاتے ہیں، انگلی کے اشارہ سے قمر دو نیم ہو جاتا ہے، اُجڑے اور خشک کنوئیں میں تھوک دیں تو اس میں پانی لہریں لینے لگے کیونکہ گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود ــــ لیکن اس میں اتنی احتیاط ملحوظ رکھی

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُ

اور البتہ نماز سخت مشکل کام ہے مگر ان کے لیے (نہیں) جو خاکسار (اور سچے نیاز مند) ہیں جو یہ خیال (پیش)

مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○

رکھتے ہیں کہ وہ (آخر کار) اپنے رب سے ملنے والے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

گئی ہے کہ: اپنی حیاتِ طیبہ کی یہ برکتیں دیکھ کر وہ خود خدا نہ بن بیٹھے، اس لیے صبر کی مختلف صورتوں میں خدا کی حیثیت اور رضا کو ملحوظ رکھنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور نماز میں خدا کا پورا غلام بن کر اس کے خود خدا بننے کے سارے امکانات بھی تباہ کر دیے گئے ہیں — ہاں ایسے صبر اور ایسی (نماز) کا حامل بندۂ مومن بہت بڑی اکسیر بن جاتا ہے۔ مشکلیں تو معمولی بات ہے موت کے پہاڑ بھی اس سے ٹکرا جائیں تو پاش پاش ہو جاتے ہیں — اس لیے فرمایا، صبر و نماز کا سہارا لے کر مشکلوں پر قابو پانے کی کوشش کرو۔ یعنی یوں خدا کے ہو کر دکھاؤ، اور امان پاؤ۔

حضورؐ کا ارشاد ہے، جب مانگنا ہو، خدا سے مانگیے اور جب مدد درکار ہو تو خدا سے مدد مانگیے۔

اذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله (مشکوٰة)

۲۶ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ (یقین کیجیے! وہ نماز یا استعانت سخت مشکل کام ہے) لوگ معروف معنوں میں صبر بھی کر لیتے ہیں اور نماز بھی پڑھ لیتے ہیں مگر استعانت کے سلسلے میں، صبر و صلوٰۃ یعنی صرف خدا پر قناعت کریں، بہت مشکل ہے۔ خاص کر استعانت کے سلسلے میں کتاب و سنت کی ہدایات کو ملحوظ رکھ کر چلیں، ان کے لیے اور بھی مشکل ترین بات ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ: نماز و روزے کے بڑے پابند ہوتے ہیں مگر جب استعانت کی باری آتی ہے تو بے صبری کا شکار ہو کر دوسرے آستانوں کی تلاش کو اٹھ دوڑتے ہیں۔ اگر ان سے کہا جائے کہ: ہوش کرو، خدا کا آستان چھوڑ کر، صبر و نماز کی راہ ترک کر کے غیر اللہ کے دروازہ پر دستک دینے کو بے قرار ہو رہے ہو تو یوں محسوس کریں گے جیسے کسی نے ان کو گولی مار دی ہو۔ ہمارے نزدیک سب سے بھاری اور مشکل مرحلہ یہی استعانت کا ہے — خدا کے حضور جھک جانے کے باوجود، اوہام پرست پیشانیوں میں غیروں کے آستان پر جھکنے کی بے چینیاں بھی جوان رہتی ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ یہ مرحلہ "کارے دارد" والی

بات ہے۔

اگر نماز مراد لی جائے جیسا کہ جمہور کا نظریہ ہے تو یہ ہو سکتا ہے کیونکہ لوگ دکھ سہنے کو سہہ لیتے ہیں مگر نماز کے لیے خدا کے حضور جھکنے کی توفیق نہیں پاتے، یہ عبادت ان کے لیے حد درجہ کی شاق پڑتی ہے۔ سولی چڑھ جانا ان کے لیے اتنا مشکل کام نہیں جتنا پانچ وقت خدا کے حضور حاضر ہونا دشوار ہے۔

ے اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (مگر جو جھک جانے والے خاکسار، نیاز مند ہیں اور دھڑکتا دل رکھتے ہیں)

دراصل یہ وہ فروتنی ہے جو قلبی احساسات کے نتیجے میں اعضاء اور جوارح پر طاری ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ دل کی فروتنی، عاجزی اور خاکساری کا نام خضوع ہے اور جوارح کی عاجزی کا نام خشوع ہے مگر مابعد کی آیت سے تعلق کی بنا پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خشوع سے مراد، دل کی ہی دھڑکنیں خشیت اور عاجزی ہے۔ ویسے بھی قرآن نے اس لفظ کو دل کے احساسات سے الگ رکھ کر صرف ظاہری اعضاء کی عاجزی اور فروتنی کے لیے استعمال کیا ہو، مجھے یاد نہیں پڑتا۔ مثلاً بعض اہل کتاب کے اعیان کے سلسلے میں کہا ہے کہ اللہ سے خشوع کرتے ہوئے ایمان لائے ہیں:

اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ (پ۴ - آل عمران ع۲۰)

ظاہر ہے اس سے دل کا ہی خشوع مراد ہے۔

انبیاء کے بارے میں فرمایا: وہ ہمارے آگے خشوع کرنے والے تھے۔

يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۔ (پ۱۷ - انبیاء ع۶)

فرمایا: نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (پ۱۸ - مومنون ع۱)

نماز میں ظاہری فروتنی ہوتی ہے۔ اس پر مزید خشوع طاری کرنے کے کیا معنی؟ یہی ناکہ: دل کی نیازمندی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

بعض روایات میں آیا ہے: کہ ایک شخص نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا تھا، حضورؐ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء بھی خشوع کرتے۔

لو خشع قلبه لخشعت جوارحه (اسرار اللغة مع انوار اللغة)

اس لیے ہمارے نزدیک، خشوع سے مراد ظاہری جوارح کی وہ عاجزی ہے جو دل کے خشوع

کے نتیجے میں ہو۔

یہاں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ :

قرآنی استعانت یا نماز کا اہتمام ہر شخص کا کام نہیں، ایسی مبارک قرآنی استعانت یا نماز کے حامل وہی لوگ ہو سکتے ہیں، جن کے دلوں میں خدا کی شرم، احساس ممنونیت یا خشیت اور آس پائی جائے گی۔

دوسرے نہیں ــــ

۸ یَظُنُّوْنَ (جو خیال رکھتے ہیں، جو سمجھتے ہیں اور جو یقین کرتے ہیں) ظن گمان کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن یقین کے معنی میں آیا ہے۔ ظن یہاں صرف اسی مناسبت سے استعمال کیا گیا ہے: بہر حال وہ فی الحال آنکھوں دیکھی شے نہیں ہے۔ یہی قول ابن زید کا ہے۔

لانهم لم یعاینوا فکان ظنهم یقیناً ولیس ظناً فی شك (ابن جریر ص ۲۶۲)

۹ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ الاٰیة (اپنے رب سے ملنے والے ہیں)

یعنی استعانت باللہ یا نماز کی راہ صرف وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو قیامت میں اپنے رب کے حضور شرفِ باریابی کا سودا رکھتے ہیں اور انہیں خدا کے دربار میں پیش ہونے اور حساب دینے کا یقین حاصل ہے۔

استعانت بالصبر اور استعانت بالصلوٰۃ، جہاں صلاح و فلاح کا قرآنی نسخہ ہے وہاں تعلق باللہ میں استواری کا ایک پاکیزہ اور پائیدار ذریعہ بھی ہے، جو اس میں جتنا راسخ ہوگا، اتنا ہی اس کو خدا سے ملنے اور شرف باریابی حاصل کرنے کا شوق بھی دامنگیر ہو جائے گا۔ اَللّٰهُمَّ اجعلنا منهم۔

فقہ القرآن

پ ۱ ع (۵)

احساسِ ممنونیت: رب کے احسانوں کو یاد رکھنا، تعلق باللہ کی استواری کا ذریعہ اور قدرشناسی کی نشانی ہے۔ (اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ)

ایفاءِ عہد: ایفائے عہد، بالخصوص جو عہد خدا کے نام پر کیے جائیں، اس کی پابندی ضروری ہے، اور اس سے فرار کے لیے بہانے تلاش کرتے ہوئے یا خفیہ تدبیروں سے کام لیتے ہوئے خدا سے ڈرنا چاہیے۔ (وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ)

بدی کی طرح ڈالنا: بدی کوئی کرے، بری ہوتی ہے، لیکن جو شخص اس کی طرح ڈالتا اور ابتداء کرتا ہے

وہ بدی سب سے بُری اور متعدی بدی ہوتی ہے، جو جو شخص اس راہ کو اختیار کرے گا، اس کی نحوست میں سے بھی اس کو حصہ ملے گا ۔۔۔ اس لیے فرمایا: تمہیں انکار میں پہل نہیں کرنی چاہیے۔ بدعت میں بھی اس کا یہ پہلو مضمر ہوتا ہے، کیونکہ یہ بھی ایک گونہ "نئی طرح" ہوتی ہے (وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ)

قرآن فروشی: مفادِ عاجلہ کی خاطر قرآنی تقاضوں کی تعمیل سے پرہیز کرنا، قرآن فروشی ہے۔ (لَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي)

تلبیس: حق، باطل کی آمیزش سے باطل بن جاتا ہے لیکن حق کی آمیزش سے باطل حق نہیں بنتا۔ جیسے دودھ کے مٹکے میں پیشاب کی ایک بوند تو اسے بیکار کر دیتی ہے لیکن پیشاب کے ایک پیالہ میں دودھ کا ایک مٹکا اسے دودھ نہیں بنا دیتا۔ (لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ)

کتمانِ حق: حق چھپانا خاص کر جان بوجھ کر، حق کشی ہے، قتلِ ناحق ایک گھناؤنا فعل ہے لیکن "حق کشی" تو اس سے بھی بڑھ کر "سنگین جرم" ہے (وَلَا تَكْتُمُوا الْحَقَّ) ۔۔۔ افسوس! اس مرض میں عموماً سیاسیین سوء، کلامی اور فقہی گروہ زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔

اقامتِ نماز: نماز گو پڑھی جاتی ہے لیکن نمازی کو حکم اقامتِ نماز کا ہے، یعنی خدا کے حضور حاضری دینے کے بعد پھر اس سے غائب ہونے کے فتنے سے بچنے کی کوشش کرے۔ نماز میں نمازی کا جو حال ہوتا ہے، نماز کے بعد اسے قائم رہنا چاہیے اور یہ چیز خدا کی معیت کے احساس کے بغیر ممکن نہیں ہے، ہمارے نزدیک نماز پنج گانہ سے زیادہ بھاری "اقامتِ نماز" کا فریضہ ہے پنجگانہ نماز میں، جائے نماز یا نماز کے ٹائم میں نماز کی پابندی ہوتی ہے لیکن اقامتِ نماز کا فریضہ پوری زندگی کے پورے شئون اور احوال و ظروف کو محیط رہتا ہے ۔۔۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ:

أَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصلوٰة تنھٰی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللّٰه اکبر ط واللّٰه يعلم ما تصنعون۔ (پ ۲۱۔ عنکبوت ع ۵)

آپ نماز قائم کرتے رہیں، کچھ شک نہیں، نماز بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے، اور یادِ خدا بڑی چیز ہے۔ اور جو کچھ تم لوگ کرتے رہتے ہو اللہ جانتا ہے۔

اسی آیت کا سیاق ان امور پر واضح روشنی ڈالتا ہے، جو ہم نے "اقامت صلوٰۃ" سے اخذ کیے ہیں۔

قرآن و حدیث میں نمازی کے لیے "خاشع" اور نماز کے لیے "خشوع" کا ذکر آیا ہے۔ خاشع وہی ہوتے ہیں جو رب تعالیٰ کی معیت کے تصور سے مؤدب رہتے ہیں ۔۔۔ یہ بھی "اقامتِ نماز" کی ایک صورت ہے۔

ایتائے زکوٰۃ: زکوٰۃ ایک ایسی سرکاری ادائیگی ہے، جس سے کوئی بھی مستطیع شخص مستثنیٰ نہیں ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے قانونی دباؤ کے ساتھ "تزکیہ" کا احساس بنیادی حیثیت رکھتا ہے یعنی اس جذبہ سے دینا ہے کہ گھٹنے کے بجائے مال اور بڑھے گا، اور ساتھ ہی دل کی پاکیزگی میں بھی اضافہ ہوگا جس کی بدولت کوئی بندۂ مومن خدا کے حضور حاضر ہونے کے قابل ہو سکتا ہے، کیونکہ اسے مال و جان سے زیادہ خدا محبوب ہوتا ہے۔

رکوع رہنے والوں کے ساتھ رہو: رکوع ایک تو وہی ہے جو نماز میں کیا جاتا ہے۔ یعنی باجماعت نماز پڑھا کرو، دوسرا یہ کہ: یہ بھی اقامتِ نماز کی ایک صورت ہے کہ: احکم الحاکمین کے حضور یوں مؤدب رہا کرو۔ تیسرا یہ کہ: حنیف بن کر جیو اور تمہارے تصورات کا محور اسی کی ذات ہو اور ایسی ہی قابلِ رشک ہستیوں کی صحبت اختیار کیا کرو۔

كانت العرب فی الجاهلية تسمي الحنيف راكعًا اذا لم يعبد الاوثان ويقولون ركع الى الله (تاج العروس)

فقه القران: تبلیغ۔ امر بالمعروف، دعوتِ حق اور تبلیغ دین، دینی فریضہ ہے بشرطیکہ داعی اور مبلغ خود ننگِ دعوت نہ ہو، خاص کر جو حضرات کتاب و سنت کا علم بھی رکھتے ہیں، وہ اگر کہیں کچھ اور کریں کچھ، تو ان کی زندگی کا یہ تضاد نہ صرف ان کے لیے مضحکہ خیز ہے بلکہ جس حق و صداقت کی سربلندی اور نشر و اشاعت کے لیے وہ کوشاں ہوتا ہے اس کا بھی بیڑا غرق کرتا ہے اور اس کے مستقبل اور نیک شہرت کو بھی شدید نقصان پہنچاتا ہے — اس لیے اسلام میں یہ ایک خطرناک معصیت ہے۔

استعانت: مشکلات میں خدا کے حضور حاضری دینا اور صرف اسی سے اپنی بپتا کہنا، قرآنی نقطۂ نظر سے "جائز استعانت" ہے بلکہ دینی فریضہ ہے، یعنی ہمت نہ ہاریں، پیش آمدہ مشکلات کے سلسلے کی دینی ہدایات کا دامن نہ چھوڑیں۔

صبر: ع جاں رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

کی راہ پر گامزن رہنا "صبر" کہلاتا ہے۔

صلوٰۃ: اور خدا کے حضور نماز ادا کر کے یوں کھو جائیں کہ:

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے۔

خاشع: اپنی مشکل میں "صبر جمیل اور نماز مسنون" کے ساتھ اللہ کے حضور "صورتِ سوال" پیش ہونا

صرف ان لوگوں کے لیے ممکن ہے جو پوری اور سچی فروتنی کے ساتھ یہ یقین رکھتے ہیں کہ جب بالآخر اسی کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے تو پھر ابتدا اسی سے کیوں نہ کریں۔ ( )

جن کی یہ کیفیت نہیں ہوتی، ان کو اور کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے بہرحال اتنی سی بات تو سب پر واضح ہے کہ وہ لوگ ہرجائی ہوتے ہیں اس لیے وہ صرف خدا پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ حق کے ساتھ باطل کی آمیزش کر کے، تعلق باللہ کو داغدار کر لیتے ہیں؛ اس کے باوجود اس پر ان کا دل بھی باغ باغ ہو جاتا ہے۔

وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (پ ۲۴۔ زمر ع ۵)

اور جب خدا کے سوا دوسرے باطل سہاروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو بس یہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔

قیامت: مؤخر الذکر آیت میں قیامت کا ذکر آیا ہے۔ اس سلسلے کی مناسب تفصیل چھٹے رکوع میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

تصنیفاتِ اہلحدیث کی نمائش

دار العلوم تعلیم الاسلام ماموں کانجن ضلع لائل پور نے اپنی نویں سالانہ کانفرنس جو ۸، ۹، ۱۰ اکتوبر کو منعقد ہو گی، کے موقعہ پر کتابوں کی نمائش کا ایک منصوبہ بنایا ہے۔ اس سلسلہ میں ادارہ جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھنے والے ہر ایسے شخص اور ادارہ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنی تصنیفات، تالیفات، ترجمہ کوئی ہوئی کتب یا مطبوعات کا ایک ایک نسخہ مع اپنے تعارف کے ۲۰ ستمبر تک ادارہ کے نام ارسال کر دیں۔ ادارہ ان کے شایانِ شان پوری آب و تاب کے ساتھ ان کی نمائش کرے گا اور ادارہ ہی ان کے ڈاک خرچ کا ذمہ دار ہو گا۔ نیز جو حضرات اس کانفرنس میں کتابوں کا اسٹال لگانا چاہیں وہ بھی ناظم ادارہ سے درج ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

ناظم ادارۂ ثقافت اہل حدیث

دار العلوم تعلیم الاسلام ماموں کانجن لائلپور